ناچار زراہِ حق گذاری — تا کردہ شود تلافیٔ آں
من نیز طلب کنم برایش — ایں خواہش اگرچہ نیست آساں
آئینہ و تاج از سکندر — انگشتر و تخت از سلیماں
از عالمِ غیب جامِ جمشید — از چشمۂ خضر آبِ حیواں
عمرِ ابد و نشاطِ جاوید — نیروے دل و ثباتِ ایماں
توفیقِ جوابِ نامۂ خویش — توقیعِ عطا و بذلِ احساں

خانگی تعلقات

مرزا کی بی بی - جو الٰہی بخش خاں معروف کی بیٹی تھیں - وہ نہایت متقی پرہیزگار اور نماز روزہ کی سخت پابند تھیں - جس قدر مرزا مذہبی معاملات میں بے مبالات تھے اُسی قدر اُن کی بی بی احکامِ مذہبی کی پابند تھیں ؛ یہاں تک کہ بی بی کے کھانے پینے کے باسن الگ اور شوہر کے الگ رہتے تھے ۔ بایں ہمہ بی بی شوہر کی خدمتگذاری اور خبر گیری میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتی تھیں مرزا صاحب ہمیشہ مردانے مکان میں رہتے تھے مگر اُنکے کھانے اور دوا ٹھنڈائی اور جڑاول وغیرہ کا انتظام سب گھر میں سے ہوتا تھا ۔ مرزا میں جب تک چلنے پھرنے کی طاقت رہی ہمیشہ وقتِ معیّن پر ایک بار وہ گھر میں ضرور جاتے تھے ۔ اور بی بی اور اُن کے تمام رشتہ داروں کے ساتھ نہایت عمدہ برتاؤ رکھتے تھے ، اور اپنی جان سے بڑھکر اُن کی ضروریات اور اخراجات کا خیال رہتا تھا ۔ مگر چونکہ شوخی اور ظرافت اُنکی گھٹی میں پڑی تھی اُنکی زبان و قلم سے بی بی کی نسبت اکثر ایسی باتیں نکل جاتی تھیں جنکو ناواقف آدمی نفرت یا بے تعلقی پر محمول کر سکتا ہے ۔

لطیفہ

کسی نے امراؤ سنگھ نام ایک شاگرد کی دوسری بی بی کے مرنے کا حال مرزا کو لکھا ، اور اسمیں یہ بھی لکھا

کہ اُسکے ننھے ننھے بچے ہیں ؛ اب اگر تیسری شادی نہ کرے تو کیا کرے ؟ اور بچّوں کی کس طرح پرورش ہو ؟ مرزا اُسکے جواب میں لکھتے ہیں " امراؤ سنگھ کے حال پر اُسکے واسطے رحم اور اپنے واسطے رشک آتا ہے ۔ اللہ اللہ ! ایک وہ ہیں کہ دو دو بار اُنکی بیڑیاں کٹ چکی ہیں ، اور ایک ہم ہیں کہ ایک اوپر پچاس برس سے جو پھانسی کا پھندا گلے میں پڑا ہے تو نہ پھندا ہی ٹوٹتا ہے ، نہ دم ہی نکلتا ہے ۔ اُسکو سمجھاؤ کہ بھائی تیرے بچّوں کو میں پال لونگا ، تو کیوں بلا میں پھنستا ہے " وہ ہمیشہ تعلقاتِ خانگی کو جدّاً یا ہزلاً ایک سخت مصیبت بتایا کرتے تھے ۔

لطیفہ

جاڑے کے موسم میں ایک دن طوطے کا پنجرا سامنے رکھا تھا ۔ طوطا سردی کے سبب پروں میں منھ چھپائے بیٹھا تھا ۔ مرزا نے دیکھکر کہا " میاں مٹھو ! نہ تمھارے جورو نہ بچے ، تم کس فکر میں یوں سر جھکائے بیٹھے ہو ؟

لطیفہ

ایک دفعہ مرزا مکان بدلنا چاہتے تھے ۔ ایک مکان آپ خود دیکھ آئے ؛ اُسکا دیوانخانہ تو پسند آگیا ، مگر محلسرا خود نہ دیکھ سکے ۔ گھر پر آکر اُسکے دیکھنے کے لئے بی بی کو بھیجا ۔ وہ دیکھکر آئیں تو اُن سے پسند ناپسند کا حال پوچھا ۔ اُنھوں نے کہا اسمیں تو لوگ بلا بتاتے ہیں ۔ مرزا نے کہا کیا دنیا میں آپ سے بھی بڑھکر کوئی بلا ہے ؟

یہاں مرزا کا ایک قطعہ اور ایک رباعی مقتضاے مقام کے موافق لکھی جاتی ہے

قطعہ

گیرم کہ در روزِ حشر چوں تو بہشتی — بر سرِ دوزخ نہند تیرہ نشیمن
لیک نباشد دراں مضیقِ مصیبت — در طلبِ نان و جامہ کشمکش از زن
لیک نباشد دراں مقامِ صعوبت — شورِ تقاضاے ناروائے مہاجن

رباعی

اے آں کہ براہِ کعبہ روے داری — دانم کہ گزیدہ آرزوے داری
زیں گونہ کہ تندی خرامی - دانم — در خانہ زنے ستیزہ خوئے داری

لطیفہ

مرزا اپنی شوخیٔ طبع کے ہاتھ سے مجبور تھے ، اور کسی موقع پر خوش طبعی کرنے سے نہ چوک سکتے تھے ۔

مرزا الٰہی بخش خانِ معروف۔ جنکے تقدس اور بزرگی کے سبب اُنکے بڑے بھائی زانوے ادب تہ کرکے اُنکے سامنے بیٹھتے تھے، اور جو مرزا کے خسر ہونے کے سبب اُنکے قبلہ و کعبہ تھے۔ اُن کے آگے بھی مرزا اپنی شوخی سے باز نہ آتے تھے۔ وہ لوگوں کو مرید بھی کیا کرتے تھے، اور جب بہت سے مرید ہوجاتے تھے تو اُن کو اپنے سلسلے کے تمام مشائخ کا شجرہ لکھوا کر ایک ایک کاپی سب کو تقسیم کیا کرتے تھے۔ اُنھوں نے مرزا کو شجرہ دیا کہ اسکی نقل کردو۔ آپ نے شجرہ کی نقل اِس طرح کی کہ ایک نام لکھدیا دوسرا حذف کردیا تیسرا پھر لکھدیا چوتھا پھر ساقط۔ غرضکہ اِسیطرح بہت سے حذف و اسقاط کرکے نقل اور اصل جاکر اُنکے حوالے کی۔ وہ دیکھکر بہت خفا ہوئے کہ یہ کیا غضب کیا؟ مرزانے کہا حضرت! آپ اِس کا کچھ خیال نفرمایئے؛ شجرہ در اصل خدا تک پہنچنے کا ایک زینہ ہے؛ سو زینے کی ایک ایک سیڑھی اگر بیچ میں سے نکال دیجائے تو چنداں حرج واقع نہیں ہوتا؛ آدمی ذرا اُچک اُچک کر اوپر چڑھ سکتا ہے۔ وہ یہ سنکر بہت جِز بِز ہوئے، اور وہ نقل پھاڑ ڈالی اور کسی اور شخص سے اُسکی نقل کرائی؛ اور مرزا ہمیشہ کے لئے اِس تکلیف سے چھوٹ گئے۔

مرزا یا تو اِس وجہ سے کہ اُن کی زندگی فی الواقع مصائب اور سختیوں میں گذری تھی، اور یا اِس لئے کہ اُن پر نا ملائم حالتوں کا بہت زیادہ اثر ہوتا تھا؛ آخر عمر میں مَوت کی بہت آرزو کیا کرتے تھے۔ ہر سال اپنی وفات کی تاریخ نکالتے اور یہ خیال کرتے کہ اِس سال ضرور مرجاؤں گا۔

١٢٧٧ ہجری میں اُنھوں نے اپنے مرنے کی تاریخ یہ کہی کہ "غالب مُرد"۔ اِس سے پہلے کئی مادّے غلط ہوچکے تھے۔ منشی جواہر سنگھ جوہر تخلص جو مرزا صاحب کے مخصوصین میں سے تھے اُن سے مرزا صاحب نے اِس مادّے کا ذکر کیا۔ اُنھوں نے کہا حضرت! انشاءاللہ یہ مادّہ بھی غلط ثابت ہوگا۔ مرزانے کہا

"دیکھو صاحب تم ایسی فال مُنہ سے نہ نکالو؛ اگر یہ مادّہ مطابق نہ نکلا تو میں سر پھوڑ کر مرجاؤں گا"

ایک دفعہ شہر میں سخت وبا پڑی۔ میر مہدی حسین مجروح نے دریافت کیا کہ حضرت! وبا شہر سے دفع ہوئی یا ابھی تک موجود ہے؟ اُنکے جواب میں لکھتے ہیں "بھئی کیسی وبا؟ جب ایک ستر برس کے بڈھے اور ستر برس کی بڑھیا کو نہ مار سکے تو تف برین وبا! اِسی قسم کی اور بہت سی باتیں اُنکی اُن سے منقول ہیں۔ جن سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ وہ آخر عمر میں مرنے کے کس قدر آرزو مند تھے۔

مرنے سے کئی کئی برس پہلے سے چلنا پھرنا بالکل موقوف ہوگیا تھا۔ اکثر اوقات پلنگ پر پڑے رہتے تھے۔ غذا کچھ نہ رہی تھی۔ چھٹے چھٹے ساتویں سات دن میں اجابت ہوتی تھی۔ طشت چوکی پلنگ کے پاس ہی کسی قدر اوجھل میں لگی رہتی تھی۔ جب حاجت معلوم ہوتی تھی تو پردہ ہوجاتا تھا؛ آپ بغیر استعانت کسی نوکر چاکر کے کپڑے اُتار کر بیٹھے ہی بیٹھے کھسکتے ہوئے چوکی پر پہنچتے تھے۔ پلنگ پر سے چوکی تک جانا؛ چوکی پر چڑھنا، چوکی پر دیر تک بیٹھے رہنا، اور پھر چوکی سے اُتر کر پلنگ تک آنا؛ ایک بڑی منزل طے کرنے کے برابر تھا۔ مگر خطوں کے جواب اِس حالت میں بھی برابر۔ یا خود پلنگ پر پڑے پڑے لکھتے تھے، یا کسی دوسرے آدمی کو بتاتے جاتے تھے، وہ لکھتا جاتا تھا۔

مرنے سے چند روز پہلے بیہوشی طاری ہوگئی تھی۔ پہر پہر دو دو پہر کے بعد چند منٹ کے لئے افاقہ ہوجاتا تھا؛ پھر بیہوش ہوجاتے تھے۔ جس روز انتقال ہوگا اُس سے شاید ایک دن پہلے میں اُنکی عیادت کو گیا تھا؛ اُسوقت کئی پہر کے بعد افاقہ ہوا تھا۔ اور نواب علاؤالدین احمد خاں مرحوم کے خط کا جواب لکھوا رہے تھے۔ اُنھوں نے لوہارو سے حال پوچھا تھا؛ اُسکے جواب میں ایک فقرہ اور ایک فارسی شعر جو غالباً شیخ سعدی کا تھا لکھوایا۔ فقرہ یہ تھا کہ "میرا حال مجھسے کیا پوچھتے ہو؟ ایک آدھ روز میں ہمسایوں سے پوچھنا"، اور شعر کا

پہلا مصرع مجھے یاد نہیں رہا دوسرا مصرع یہ تھا "نکرد ہجر مدارا بمن سر تو سلامت"، مرنے سے پہلے اکثر یہ شعر وردِ زباں رہتا تھا "دمِ واپسیں بر سرِ راہ ہے * عزیزو! اب اللہ ہی اللہ ہے"

آخر۔ ذیقعدہ ۱۲۸۵ھ ہجری کی دوسری اور فروری ۱۸۶۹ء کی پندرھویں کو تہتر برس اور چار مہینے کی عمر میں دنیا سے رحلت کی، اور درگاہ حضرت سلطان نظام الدین قدس سرہٗ میں اپنے خسر کے پائینِ مزار دفن کیے گئے۔ انکی وفات کی تاریخیں جو مدت تک ہندوستان کے اُردو اخباروں میں چھپتی رہیں وہ گنتی اور شمار سے باہر ہیں، صرف ایک تاریخ جسمیں دنش بارہ آدمیوں کو توارد ہوا۔ یاد رکھنے کے قابل ہے (یعنی آہ غالب بمرد ۱۲۸۵) جسکو مختلف لوگوں نے مختلف طور پر قطعات میں منتظم کیا تھا۔ تاریخوں کے علاوہ مرزا قربان علی بیگ سالک، میر مہدی حسین مجروح، اور مؤلف کتاب ہٰذا نے اُردو میں اور منشی ہرگوپال تفتہ نے فارسی میں، مرزا کے مرثیے بھی لکھے تھے۔ جو اُسی زمانہ میں چھپکر شائع ہو گئے تھے۔

مرزا کے جنازے پر جب کہ دلی دروازے کے باہر نماز پڑھی گئی۔ راقم بھی موجود تھا، اور شہر کے اکثر عمائد اور ممتاز لوگ جیسے نواب ضیاء الدین احمد خاں، نواب محمد مصطفےٰ خاں، حکیم احسن اللہ خاں وغیرہم، اور سب اہلِ سنت اور امامیہ دونو فرقوں کے لوگ جنازے کی مشایعت میں شریک تھے۔ سید صفدر سلطان نبیرہ بخشی محمود خاں نے نواب ضیاء الدین احمد خاں مرحوم سے کہا کہ۔ مرزا صاحب شیعہ تھے؛ ہمکو اجازت ہو کہ ہم اپنے طریقے کے موافق اُنکی تجہیز و تکفین کریں۔ مگر نواب صاحب نے نہیں مانا؛ اور تمام مراسم اہلِ سنت کے موافق ادا کیے گئے؛ اِسمیں شک نہیں کہ نواب صاحب سے زیادہ انکے اصلی مذہبی خیالات سے کوئی شخص واقف نہیں ہو سکتا تھا؛ مگر ہمارے نزدیک بہتر ہوتا کہ شیعہ اور سنی دونو ملکر یا علیحدہ علیحدہ اُنکے جنازے کی نماز پڑھتے اور جسطرح زندگی میں اُنکا برتاؤ سنی اور شیعہ دونو کے ساتھ یکساں رہا تھا اسیطرح مرنیکے بعد بھی دونو فرقے اُنکی حق گزاری میں شریک ہوتے۔

مرزا صاحب کے شاگرد اطراف ہندوستان میں بیشمار تھے۔ اُنکی وسعتِ اخلاق اور عام رضا جوئی نے

یہ دائرہ بہت وسیع کر دیا تھا۔ جو شخص اصلاح کے لیے اُنکے پاس غزل بھیجتا تھا ممکن نہ تھا کہ وہ اُسکے خط کا جواب اور اُسکی غزل میں اصلاح دیکر نہ بھیجیں۔ اگرچہ مرزا کی فطرت شاعری میں اپنے طبقے کے لوگوں سے اِس قدر بلند واقع ہوئی تھی کہ وہ کسی شاگرد یا مستفید کو اپنے ساتھ ساتھ نہیں لے چل سکتے تھے۔ جیسا کہ اُنھوں نے خود ایک فارسی شعر میں اِس مضمون کیطرف اشارہ کیا ہے؛ وہ کہتے ہیں

ما ہمائے گرم پروازیم فیض از ما مجوے سایۂ چون دود بالا میرود از بالِ ما

با اینہمہ اہلِ دہلی و نواحِ دہلی میں چند اصحاب جو مرزا کے فیضِ صحبت اور مشورۂ سخن سے زیادہ مستفید ہوئے تھے اُنکے ارشد تلامذہ سمجھے جاتے تھے؛ جیسے نیر رخشاں، عارف، سالک، مجروح، علائی، تفتہ وغیرہم۔ اِنکے سوا خاص اہلِ دہلی میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو عرفاً مرزا کے شاگرد نہیں سمجھے جاتے تھے لیکن درحقیقت اُنکے شاگرد معنوی تھے؛ جیسے نواب مصطفےٰ خاں مرحوم جنھوں نے مومن خاں مرحوم کی وفات کے بعد ہمیشہ اپنا کلام فارسی ہو یا اُردو مرزا ہی کو دکھایا۔ یا جیسے سید غلام علیخاں[1] مرحوم متخلص بہ وحشت جو مرزا کے حد سے زیادہ ماننے والے اور معتقد اور اُنکی صحبت سے مستفیض رہے تھے۔ مرزا نے اِنھیں دونو صاحبوں کی طرف اپنی ایک اُردو غزل کے مقطع میں اشارہ کیا ہے اور کہا ہے

[1] یہ صاحب دلی کے ممتاز لوگوں میں تھے اِنکے والد کا نام سید فرحت اللہ خاں تھا اور مولانا رشید الدین خاں مرحوم کے داماد تھے قطع نظر علم و فضل کے اُردو اور فارسی دونو زبانوں میں نہایت خوش بیان اور شعر کا مذاق اعلےٰ درجے کا رکھتے تھے اول سرکار انگریزی میں ملازم رہے پھر الور میں فوجدار ہو گئے پھر لکھنؤ میں نواب سعید الدولہ مرحوم نائب وزیر کے توسط سے کہ اُن سے قرابتِ قریبہ رکھتے تھے ایک معزز خدمت پر ممتاز ہو گئے وہاں سے پھر الور چلے آئے تھے اور غدر تک وہیں رہے غدر کے بعد اخیر عمر تک سررشتہ تعلیم میں منسلک رہے اور نواب مصطفےٰ خاں مرحوم اُنکی ہر حال میں مدد کرتے رہے ۱۲

وحشت و شیفتہ اب مرثیہ لکھیں شاید　　مرگیا غالبِ آشفتہ نوا کہتے ہیں"

لطیفہ

یہ دونو صاحب باہمدگر نہایت گہری دوستی رکھتے تھے؛ یہاں تک کہ اُنکی دوستی عشق کے درجے تک پہنچ گئی تھی۔ ایک دفعہ جبکہ راقم بھی جہانگیر آباد میں موجود تھا سید غلام علی خاں مرحوم نوابصاحب سے ملنے کو آئے ہوئے تھے اور مرزا صاحب نے بھی اُن کا یہاں آنا سن لیا تھا۔ اُنھیں دنوں میں مرزا کا خط نواب صاحب کے نام آیا۔ اُسمیں خاں صاحب کو بھی سلام لکھا تھا اور اخیر میں خواجہ حافظ کے مشہور شعر کا پہلا مصرع اِسطرح بدل کر لکھا تھا

"چو با حبیب نشینی و جامے پیائی　　بیاد آر حریفانِ بادہ پیما را"

ایک عزیز نے یہ لطیفہ سُنکر کہا کہ خواجہ حافظ کے اصل شعر میں اس قدر لطف نہ تھا جیسا کہ اِس موقع پر مرزا صاحب کے اِس تصرف سے اُسمیں لطف† پیدا ہوگیا۔

مرزا صاحب کے اُن شاگردوں کا حال جنکے نام کے بہت سے خطوط اُردوے معلّٰی اور عودِ ہندی میں مرزا کے لکھے ہوئے موجود ہیں یہاں لکھنے کی ضرورت نہیں؛ اِس لئے ہم صرف دو صاحبوں کا مختصر ذکر اِس مقام پر لکھتے ہیں ایک نواب ضیاء الدین احمد خاں مرحوم اور دوسرے نواب مصطفٰے خاں مرحوم کہ غالباً اِن دونو بزرگوں میں سے کسی کے نام کا کوئی خط مرزا کے اُردو مکاتبات میں نہیں ہے جس سے اُن کی خصوصیت مرزا صاحب کے ساتھ خاص و عام کو معلوم ہو۔

نواب ضیاء الدین احمد خاں

نواب ضیاء الدین احمد خاں۔ جو فارسی میں نیّر اور اُردو میں رخشاں تخلص کرتے تھے۔ قطع نظر کمال شاعری و انشاپردازی کے تاریخ، جغرافیہ، علم انساب، علم اسماے رجال، تحقیقِ لغات

† یعنی نوابصاحب تو شراب سے مجتنب تھے اور مرزا پیتے تھے اس لئے اُنکی نسبت چاے پیائی اور اپنی نسبت بادہ پیما کا لفظ کہا۔

اور جنرل انفورمیشن (عام واقفیت) میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے۔ اگرچہ اُنھوں نے فنونِ مذکورہ میں کوئی مستقل تصنیف اپنے نام سے نہیں چھوڑی؛ لیکن اکثر مصنفین اُن سے مدد لیتے تھے اور جو مشکل پیش آتی تھی اُسمیں اُن سے مشورہ کرتے تھے؛ خصوصاً الیٹ صاحب نے جو ہندوستان کی تاریخ کئی جلدوں میں لکھی ہے اُسکی تصنیف و ترتیب میں نواب ممدوح نے بے انتہا مدد پہنچائی تھی جسکا مصنف نے اپنی کتاب کے دیباچے میں خود اعتراف کیا ہے۔

چونکہ نواب ممدوح اہلِ کمال کے عاشق تھے اور خاصکر مرزا صاحب سے اُنکی حقیقی چچازاد بہن منسوب تھیں اس لئے مرزا کے ساتھ اُنکو خاص تعلق تھا۔ وہ فارسی اور اُردو دونو زبانوں میں فکر شعر کرتے تھے؛ مگر زیادہ تر فارسی نظم و نثر لکھتے تھے اور مرزا کے قدم بقدم چلتے تھے۔

مرزا نے جو ایک قصیدہ نہایت بلیغ و لطیف نواب ممدوح کی شان میں لکھا ہے اور جسمیں اُنکا اُستاد ہونے پر فخر کیا ہے اُسکے کچھ اشعار مختلف مقامات سے التقاط کرکے یہاں لکھے جاتے ہیں

صد آفتاب تواں ساختن بباز یچہ　　ز ذرہ کہ بود در ضیاے نیّرِ من

نہ ایں سپہر و نہ ایں مہر عالمے دگرست　　من آسمانم و او مہرِ نور گسترِ من

من آں سپہر کہ دانم چنانکہ مہر بماہ　　بہ مہر نور دہد نیّر منوّرِ من

من آں سپہر کہ ہر دم رسد عطیۂ فیض　　بہ سعدِ اکبرِ گردوں ز سعدِ اصغرِ من

منم خزینۂ راز و در خزینہ راز　　ضیاے دینِ محمدؐ کہیں برادرِ من

بدین و دانش و دولت یگانۂ آفاق　　بعمر کہتر و از روے رتبہ مہترِ من

بہ مہر دل بہ برادر دہم نہ یعقوبم　　کہ بود خویش بود دلستان و دلبرِ من

سخن سراے نوآئیں نواے رانازم   بنالہ ہمنفسِ من بہ شور ہمسرِ من

بہ نکتہ شیوۂ شاگردِ من بہ من ماناست   صنم بصورتِ خود مے تراشد آزرِ من

اگرچہ اوست ارسطو و من فلاطونم   بود بپایہ ارسطوے من سکندرِ من

زمینِ کوے مرا آسماں کند ہر صبح   طلوعِ نیرِ رویش ز طرفِ منظرِ من

اگر شوم بہ مثل آتشے شرارہ فشاں   شود بقاعدۂ ہمدمی سمندرِ من

بہ بحر گر قدم رہ - بود سفینۂ من   بہ تخت گر بود م راے - گردد افسرِ من

بہ مہرِ دوست وہم دل - نشاطِ خاطرِ من   بہ کینِ خصم نہم رخ لواے لشکرِ من

گرم ز غصہ تبہ گشتہ کار - مونسِ من   ورم ز کار فرو ماندہ دست - یاورِ من

زہے ز روے تو پیدا فروغِ دانش و داد   بدیں فروغ - جہانتاب گشتہ اخترِ من

ز تو کہ آئنۂ فیضِ صحبتِ آوئی   ہواے دیدنِ غالب فتادہ در سرِ من

مرا ستودی و گفتی کہ من از آنِ توام   فداے آنِ تو بادا اقل و اکثرِ من

سعادت و شرف چون منے بعرضِ کمال   نہ بس بود کہ بود چوں توئے ثنا گرِ من ۱؎

نواب محمد مصطفیٰ خاں

نواب محمد مصطفیٰ خاں مرحوم جو فارسی میں حسرتی اور اردو میں شیفتہ تخلص کرتے تھے اگرچہ مرزا کے تلامذہ میں شمار نہیں ہوتے تھے بلکہ جب تک مومن خاں مرحوم زندہ رہے انھیں سے مشورۂ سخن کرتے رہے لیکن خانِ موصوف کی وفات کے بعد ریختہ اور فارسی دونو زبانوں میں وہ برابر مرزا کو اپنا کلام دکھاتے تھے اور اگر ہمارا قیاس غلط نہو تو مرزا کے بعد انکے معاصرین میں سے

۱؎ معلوم ہوتا ہے کہ نواب نے مرزا کی مدح میں کوئی قصیدہ لکھا تھا جسکی طرف اِن دونو بیتوں میں اشارہ ہے ۱۲

کسی کی فارسی غزل اُنکی غزل سے لگا نہیں کھاتی تھی اور شعر کا جیسا صحیح مذاق اُنکی طبیعت میں پیدا کیا گیا تھا ویسا بہت ہی کم دیکھنے میں آیا ہے لوگ اُنکے مذاق کو شعر کے حسن و قبح کا معیار جانتے تھے ۔ اُنکے سکوت سے شاعر کا شعر خود اُسکی نظر سے گر جاتا تھا اور اُن کی تحسین سے اُسکی قدر بڑھجاتی تھی ۔ یہی وہ شخص تھے جنکی نسبت مرزا غالب فرماتے ہیں

غالب بہ فنِ گفتگو نازد بدیں ارزش کہ او   ننوشت در دیوان غزل تا مصطفیٰ خاں خوش نکرد (یعنی پسند نکرد ۱۲)

نواب ممدوح کی شان میں بھی مرزا کا ایک فارسی قصیدہ اُنکے دیوان میں موجود ہے جس میں اوّل فخریہ تشبیب لکھی ہے فخریہ اشعار لکھتے لکھتے کہتے ہیں

دست رد بر تاجِ قیصر مے نہم   پشت پا بر تختِ خاقاں مے زنم

خُردہ مے گیرند بر من قدسیاں   گر نفس در مدحِ سلطاں مے زنم

آں ہماے تیز پروازم کہ بال   در ہواے مصطفیٰ خاں مے زنم

عرفی و فاتحا نیش فرماں پذیر   سکہ در شیراز و شرواں مے زنم

او خرامد مست و من چاؤش وار   بانگ بر اجرام و ارکاں مے زنم

گلشنِ کویش گذر گاہِ من ست   دوش در رفتن برضواں مے زنم

خوبیِ خویش بد آموزِ من ست   دم ز یاری مے ز زنہاں مے زنم

مہر ورزی ہیں کہ با شمع ہمنشیں   من کہ زانو پیشِ دریاں مے زنم

بشنو و بے آنکہ باد آں را برد   نالہ گر در کنجِ زنداں مے زنم

بنگر و بے آنکہ کلک آں را کشد   نقش گر بر صفحۂ جاں مے زنم